معراج مصطفوی

جدید اکتشافات سائنس کی روشنی میں

سبط نبی نقوی

آج ہم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم کی معراج کے متعلق حقائق کو بیان کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ موجودہ سائنس کی ترقیوں سے اس محیرالعقل واقعہ پر کیا روشنی پڑتی ہے ۔ سائنس کا طالب علم ہونے کی وجہ سے ، خصوصاً طبیعیات اور ہیئت میں کچھ دخل ہونے کی وجہ سے ، میرے لئے کم و بیش ۴۵ سال سے یہ مسئلہ فکر انگیز بنا رہا ہے ۔ اور اس پر غورو فکر کے طفیل میں عالم کون و مکان کے چند وہ پہلو سمجھ میں آسکے ہیں جن کی وضاحت کے راستے طبیعیات اور ہیئت کی بیسویں صدی کے اکتشافات نے کھول دئیے ہیں ۔

معراج کا یہ معجزہ دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ ایک اسرٰی جس میں رسول اللہ صلعم نے رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصا تک سفر کیا ۔ اسرٰی رات کے وقت جسم کے ساتھ سفر کرنے کو ہی کہتے ہیں ۔ یہ لفظ مجرد روحانی سفر یا محض خیالی سفر کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا جاتا ۔ قرآن کریم میں حضور اکرم کے اس سفر کے متعلق (سورۂ بنی اسرائیل۔ پہلی آیت) ارشاد ہوتا ہے

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من آیٰتنا ، انہ ھوالسمیع البصیر ۔	پاک ہے وہ جو ایک رات اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصا کہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ بیشک وہ سننے والا ، دیکھنے والا ہے ۔

صحیحین کی حدیثوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ رسول مقبول نے خانۂ کعبہ میں قلب مطہر کے آب زم زم سے صاف کئے جانے کے بعد یہ سفر براق پر طے کیا ۔ براق کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں حد نگاہ ہوتی تھی ۔ بہ الفاظ دیگر آپ نے یہ سفر نور کی رفتار سے طے کیا ۔ آپ نے سفر کے دوران مکہ کی طرف آتے ہوئے ایک قافلہ کو دیکھا لیکن قافلہ والوں نے آپ کو نہیں دیکھا ۔ یہ تمام واقعات صحیح ترین احادیث سے ثابت ہیں اور ان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ، چاہے وہ سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں ۔

معجزہ کا دوسرا حصہ معراج کا ہے ۔ جس کے دوران رف رف کے اوپر مسجد اقصا سے روانہ ہوئے ۔ یہاں پر یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ عربی میں رف رف گدہ کو بھی کہتے ہیں ۔ جب رف رف پر آپ پہلے آسمان پر پہنچے تو وہاں کے دربان فرشتوں نے آسمان میں اس وقت داخل ہونے دیا جب انہوں نے یہ یقین کرلیا کہ آپ کو وہاں داخلہ کی خدا کی طرف سے اجازت حاصل ہے ۔ یہاں آنحضرت کی ملاقات حضرت آدم سے ہوئی ۔ اس آسمان کے ایک طرف (دائیں طرف) جنتی روحیں اور دوسری طرف (بائیں طرف) دوزخی روحیں تھیں ۔ آپ نے ان سب کو دیکھا ۔ پھر باری باری باقی چھ آسمانوں پر تشریف فرما ہوئے اور وہاں مختلف پیغمبروں سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے دوسرے آسمان پر، حضرت یوسف سے تیسرے آسمان پر، حضرت ادریس سے چوتھے آسمان پر، حضرت ہارون سے پانچویں آسمان پر اور حضرت موسیٰ سے چھٹے آسمان پر ملاقات ہوئی ۔ سب سے آخری ساتویں آسمان پر یعنی جنت الماویٰ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ۔

اس کے بعد آپ سدرۃ المنتھا پر پہنچے ۔ یہاں تک حضرت جبرئیل آپ کے ساتھ تھے ۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل کی آزادی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ۔ کیونکہ کوئی فرشتہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ وہاں آپ نے افق اعلیٰ پر قوت والے کو پہلی دفعہ اس کی مکمل تجلیوں کے ساتھ دیکھا ۔ پھر وہ قریب آیا یا حضور اس کے قریب ہوئے یہاں تک کہ حضور کے اور اس کے درمیان فاصلہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا ۔ جو کچھ وہ اپنے بندہ پر وحی کرنا چاھتا تھا اب وہ سب کچھ اس نے وحی کیا ۔ حضور نے نہ اس پہ شک کیا نہ اس کو جھٹلایا ۔ اس تجربہ کے بعد مادی عالم کی طرف واپسی سے پہلے رسول مقبول نے اس کو ایک بار پھر دیکھا ۔ اس مرتبہ وہ سدرۃ المنتھا کے اوپر تجلی کی صورت میں نظر آیا ۔ نہ آپ کی آنکھ جھپکی اور نہ حد سے آگے بڑھی ۔ غرض کہ حضور سرور کائنات نے معراج کے دوران کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ یہ سارا واقعہ بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے اور اس پر بھی کوئی شک روا نہیں ۔ لیکن بعض کافر سمجھتے تھے کہ دل کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں یا نعوذ باللہ من ذالک دماغ کے خلل کی نشانی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو قران کریم میں سورہٗ و النجم (۵۳) کی پہلی اٹھارہ آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :۔

۱ ۔ والنجم اذا ھوٰی۔ قسم تارے کی (یا جھرسٹ نجم کی) جب وہ ڈوبنے لگے

۲ ۔ ماضل صاحبکم و ما غوٰی۔ تمہارے رفیق (محمد) نہ راستہ بھولے ہوئے ہیں نہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

۳ ۔ و ما ینطق عن الھوٰی ۔ اور وہ کوئی بات ھوا (و ھوس) سے نہیں کہتے ۔

۴ ۔ ان ھو الاّ وحی یوحٰی ۔ یہ جو کچھ ہے وحی ہے جو ان کی طرف وحی کی گئی ہے ۔

۵ ۔ علمہ شدید القوٰی ۔ جو سکھائی ہے ان کو نہایت قوت والے نے ۔

۶ ۔ ذومرۃٌ فاستوٰی ۔ جو زور آور ہے ۔ پھر وہ پورا نظر آیا ۔

۷ ۔ و ھو بالافق الا علیٰ ۔ وہ افق الا علیٰ کے کنارے پر تھا ۔

۸ ۔ ثم دنا فتدلیٰ ۔ پھر وہ نزدیک ہوا اور آگے بڑھا ۔

۹ ۔ فکان قاب قوسین اوادنیٰ ۔ تو رہ گیا دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم ۔

۱۰ ۔ فا وحٰی الیٰ عبدہ ما اوحٰی ۔ پھر اس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کرنی تھی ۔

۱۱ ۔ ما کذب الفؤا دمارایٰ ۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کو ان کے دل نے جھٹلایا نہیں ۔

۱۲ ۔ افتمرونہ علیٰ مایرایٰ ۔ اب کیا تم ان سے جھگڑتے ہو اس پر جو انہوں نے دیکھا ۔

۱۳ ۔ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ ۔ اور انہوں نے اس کو ایک بار پھر دیکھا اترتے میں ۔

۱۴ ۔ عند سدرۃ المنتہیٰ ۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۔

۱۵ ۔ عندھا جنۃ الماویٰ ۔ اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے ۔

۱۶ ۔ اذیغشی السدرۃ مایغشیٰ ۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا ہے

۱۷ ۔ مازاغ البصر وماطغیٰ ۔ ان کی آنکھ نہ تو کسی اور طرف مائل ہوئی (جھپکی) اور نہ ڈگمگائی ۔

۱۸ ۔ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ ۔ انہوں نے اپنے رب کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۔

ان آیات کریمہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ تجربہ حضور سرور کائنات کے لئے جسم اور روح کے ساتھ مکمل ترین تجربہ تھا ۔ یہاں نہ کسی خواب کا ذکر ہے نہ روح کی باتیں ہو رہی ہیں ۔ آنکھوں نے دیکھا ۔ دماغ نے سمجھا ۔ دل نے

یقین کیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کوہ طور پر اس ہی طاقت والے کی تجلی ویسے ہی دیکھی تھی جیسے حضور نے واپسی کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھی۔ وہ غش کھا کر گر پڑے۔ ان کی لکڑی سانپ کی طرح چلنے لگی تو وہ ڈر گئے۔ اس کے خلاف حضور کی حالت کا اظہار وحیِ خداوندی کے ذریعہ ہوتا ہے ''مازاغ البصر وماطغیٰ'' اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد و بارک وسلم۔ قرآن کریم کی لطافت دیکھئے کہ سورہ والنجم جس میں رسول اللہ صلعم کے دیدار خداوندی سے سرفراز کئے جانے کا تجربہ بیان کیا جاتا ہے اس سے پہلے سورہ طور آئی ہے ۔ لیکن اس میں حضرت موسیٰ کے بیہوش ہوکر گر پڑنے کا ذکر نہیں کیا جاتا ۔ صرف طور کے ذکر سے تقابل پورا ہو جاتا ہے ۔

بہرحال ان آیات کریمہ کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ہر ایک کو پورا یقین ہو جانا چاہئے کہ اسریٰ اور معراج کا تجربہ حضور سرور کائنات کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ پورے ہوش وحواس کی حالت میں ہوا تھا ۔ اس بات کو ماننے کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی بحث کی ۔

لیکن انسانی سمجھ دماغ کے چند قوانین کے تحت کام کرتی ہے ۔ جب تک کوئی بات ان قوانین کے مطابق سمجھ میں نہ آجائے دل و دماغ کو تسکین نہیں ہوتی۔ دل و دماغ کی تشفی کی کوشش کرنا بری بات نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس کی اجازت دی ہے ۔ ایک روز حضرت ابراہیم نے اللہ تعالی سے پوچھا کہ آپ مردوں کو زندہ کیسے فرمائیں گے ۔ خدا کو معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم یہ سوال کیوں کر رہے ہیں ۔ وہ تو اپنے بندوں کے دل کی باتیں جانتا ہے ۔ لیکن بنی نوع کی رہنمائی کے لئے بجائے سیدھا سادھا جواب دینے کے حضرت ابراہیم سے پوچھا گیا ''کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟'' حضرت ابراہیم نے فوراً عرض کیا کہ یقین تو پورا ہے میں تو صرف دل و دماغ کی تسکین چاہتا ہوں ۔ چونکہ یہ بات قابل اعتراض نہیں تھی حضرت ابراہیم کی تسکین کردی گئی اور انہیں بتادیا گیا کہ مردے کیسے زندہ کئے جائیں گے ۔

بالکل اسی طرح اس بات پر بغیر کسی دلیل کے یقین کرلینے کے بعد کہ رسول اللہ صلعم کو اسریٰ اور معراج کا تجربہ بہ نفس نفیس جسم اطہر کے ساتھ ہوا ہم صرف دل و دماغ کی تسکین کے لئے موجودہ سائنس کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

آئیے اب ذرا غور کریں کہ کیا یہ واقعہ خرق عادت یا معراج رسول مقبول کسی عام قاعدہ یا عادت جاریہ کے ماتحت ہی ظہور پذیر ہوئی تھی ۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک حیرت انگیز سلسلہ واقعات ہمارے سامنے آجاتا ہے ۔ جب خدا نے اپنے کسی اولوالعزم نبی کے درجے بلند کئے تو اس نبی کے ابتدائی دور میں ہی اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے ۔

حضرت ابراهیم کو نبوت کی نعمت کے عطا ہونے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

وکذالک نرای ابراهیم ملکوت السموات و الارض ۔	اور اس طرح هم نے ابراهیم کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھائے ۔

حضرت یعقوب نے خواب میں دیکھا کہ حاران میں ایک نورانی سیڑھی لگی ہوئی ہے جس کے اوپر خدا کھڑا ہے اور ان کی اولاد کو اس علاقه پر بادشاهی کی خوش خبری سنا رہا ہے ۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کو طور پر جلوۂ حق کا پرتو نظر آیا ۔ وهی ان کی معراج تھی ۔ دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے مشاهدهٔ ربانی اور سیاحت عالم کی تفصیل سے تورات کے صفحے معمور هیں ۔ زرتشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانه سنایا جاتا ہے ۔ بدھ مت کے ماننے والے بھی نخل حکمت کے سایہ میں گوتم بدھ کے مشاهدهٔ ربانی کا ایک قصه بیان کرتے هیں ۔

واقعه یه معلوم هوتا ہے کہ جب بھی خدا نے اپنے چنے ہوئے بندوں سے بڑے کام لینے چاہے تو ان میں ایسی قابلیتیں پیدا کردیں کہ مکان و زمان کی بندشوں سے بالاتر ایسے افعال ان سے سرزد ہونے لگے جو سه ابعادی سوجھ بوجھ کو چکر میں ڈال کر ان کی خود اعتمادی اور ان کے خدائے مطلق پر اعتماد کو نقطهٔ عروج پر پہنچادیں ۔ گو یه واقعات مادی کارخانهٔ قدرت کے توڑتے ہوئے خرق عادت کے بہترین نمونے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کے بار بار ظہور پذیر ہونے سے یه ظاهر هوتا ہے کہ یه اصل قانون قدرت کی ایک بہترین مثال ہے ۔

معراج کے واقعه میں علمائے اسلام میں جس بات پر جھگڑا چلا آتا ہے وہ یه ہے کہ معراج جسمانی تھی، روحانی تھی، یا یه محض خواب تھا ۔ دوسری بات جس پر اختلاف ہے وہ یه ہے کہ آیا حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیه وسلم کو خدا کا دیدار حاصل هوا یا وہ محض ایک احساس تھا ۔

جہاں تک خواب کا معامله ہے یه مسئله بالکل واضح ہے ۔ اگر اسرای اور معراج کے واقعات محض خواب ہوتے تو ان پر کسی جھگڑے اور اختلاف کی وجہ هی نہیں ۔ هر ایک عجیب وغریب خواب دیکھ سکتا ہے اگر رسول مقبول نے بھی ایک خواب دیکھا هوتا تو اس پر کسی شبه کی گنجائش هی نه تھی ۔ هاں مادی جسم کے ساتھ ایسا واقعه هونا اس وقت کیا آج بھی ناممکن معلوم هوتا ہے ۔ اس لئے معراج کے جسمانی یا محض روحانی ہونے کا معامله ایسا ہے جس پر اختلاف کی گنجائش رهتی ہے ۔ حضرت ابو هریرہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ام المومنین حضرت عائشه صدیقه رضی اللہ تعالیٰ عنهم معراج کو روحانی اور دیدار کو محض احساس کی ایک خاص کیفیت مانتے تھے ۔ ان کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عبداللہ ابن عباس اور اکثر دوسرے صحابه کا یه عقیدہ تھا کہ حضور کی معراج جسمانی تھی اور آپ دل کی آنکھوں سے خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے ۔ میں ان تمام تجربات کو پوری طرح جسمانی اور طبعی مانتا هوں ۔ اس مسئله پر

اشاعرہ اور معتزلہ میں بھی بہت اختلاف رہا ہے ۔ ان کی مشکلات یونانی ہیئت اور سائنس کی پیدا کی ہوئی تھیں ۔ آج سائنس کا معمولی طالب علم بھی آن سے کہیں زیادہ وقیع اور لاینحل مشکلات بیان کرسکتا ہے لیکن یہ نتیجے ہیں اس عالم کی ہیئت کذائی سے نا واقفیت کے جیسا کہ آپ آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے ۔ کیونکہ اگر ہم اپنے خدا نے واحد مطلق کو عقل کل مانتے ہیں تو یقیناً اس نے اس عالم کو بنانے وقت اس میں ایسی گنجائشیں ضرور رکھی ہوں گی کہ جب اس کے الوالعزم پیغمبر بڑی بڑی روحانی منزلوں کے سر کرنے کے لئے روانہ ہوں تو وہ مادی عالم کی طبعی اور ذہنی رکاوٹوں پر پوری طرح حاوی ہو سکیں ۔

ہم سائنس کے طریقہ سے ہی اس مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ہمیں مادہ سے آگے روح کی ماہیت بھی سمجھنا پڑے گی اس لئے ہم بزرگان دین کے طریقوں کو بھی نظر انداز نہیں کریں گے ۔ آج ہم مولانا روم کے بیان کردہ طریقہ پر چلیں گے وہ یہ ہے ۔

زاد دانشمند آثار قلم   زاد صوفی چیست ؟ آثار قدم
همچو صیادے سوئے اشکار شد   گام آهو دید و بر آثار شد
چند گامش گام آهو در خورست   بعد ازاں خود ناف آهو رهبرست
راه رفتن یک نفس بر بوئے ناف   خوش تر از صد منزل گا و طواف

ہم واقعات کو لے کر آثار قلم اور آثار قدم دونوں کی مدد سے ابتدائی منزلیں طے کریں گے اور پھر بوئے ناف کی رہبری سے آھوئے مقصود تک پہنچنے کی کوشش ۔ خدا سے دعا ہے کہ

تیرا نشاں ملے نہ ملے یہ مرا نصیب
تو مجھ کو جستجو کے توو رستہ پہ ڈالدے

آئیے پہلے اسریٰ کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔ اس میدان میں آثار قلم اور آثار قدم دونوں بہت نمایاں ہیں کیونکہ معاملہ روشنی کی ماہیت کو سمجھنے سے بہت واضح ہو جاتا ہے ۔

ہم سوئچ دبا کر بجلی کے قمقمہ میں بجلی کی رو دوڑا دیتے ہیں ۔ وہ بھی روشنی پیدا کرنے لگتی ہے ۔ ہماری مادی زندگی کا سارا کاروبار اس روشنی ہی کے طفیل چل رہا ہے ۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ بجلی کے بلب میں روشنی کیسے پیدا ہونے لگتی ہے ۔ آپ فوراً فرمائیں گے کہ جب قمقمے کے اندر باریک تار میں بجلی گذرتی ہے تو وہ گرم ہو کر چمکنے لگتا ہے اور اس طرح روشنی کی شعائیں اس سے نکلنا شروع ہو جاتی ہیں ۔ لیکن یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ بجلی کی رو (Electric current) نام ہے کسی موصل (تار) کے اندر منفی برقی ذرات " برقیوں " (Electrons) کے دوران کا ۔ ڈائنمو (Dynamo) میں ایک خاص

ترکیب سے برقیوں کو جمع کر کے ایک طرف کو دھکیلا جاتا ہے ۔ جب تار کا دوران سوئچ کے ذریعہ مکمل کردیا جاتا ہے تو وہ مجتمع برقیے (Electrons) اس میں رواں ہو جاتے ہیں ۔ یہ تار جس میں برقیے ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں بنا ہوتا ہے جواہر (Atoms) کا ۔ ان جواہر کے مرکز پر مثبت برقی ذرات (Protons) اور بے بار ذرات (Neutrons) کا ایک مرکزہ (Neuclon) ہوتا ہے ۔ اس کے چاروں طرف برقیے یعنی الیکٹران مختلف مداروں (orbits) یا خولوں (shells) پر ایسے ہی گھوم رہے ہوتے ہیں جیسے سورج کے گرد سیارے ۔ جب برقی رو کے برقیے جواہر کے مرکزوں کے گرد گھومنے والے برقیوں سے ٹکراتے ہیں تو وہ ان کو ایک مدار یا خول سے دھکا دے کر دوسرے مدار یا خول پر پہنچادیتے ہیں ۔ ہر برقیہ کے ساتھ اس کے مدار کی جسامت کے لحاظ سے رواں توانائی کی ایک خاص مقدار (Momentum) وابستہ ہوتی ہے ۔ اگر برقی رو کے برقیہ سے دھکا کھا کر جوھری برقیہ توانائی کی کم رواقی مقدار (Momentum) والے مدار یا خول پر پہنچ جاتا ہے تو توانائی کی ان مقداروں میں جو فرق ہوتا ہے وہ نور کی صورت میں نوٹون (Photon) کی شکل میں خارج ہوتا ہے ۔ یہ نظریہ کوانٹم (Quantum) کا بنیادی تصور ہے جو دنیا کے تمام ماہرین طبیعیات نے پوری طرح مان لیا ہے ۔

اس نظریہ کے مطابق جوہر کے اندر برقیہ ایک مدار یا خول پر رہ سکتا ہے یا کسی دوسرے مدار یا خول پر ۔ ان دو مداروں کے درمیان چار بعد والی فضا میں برقیوں کا وجود ناممکن ہے ۔ ریاضی اور تجربہ دونوں سے یہ بات پوری طرح ثابت کی جا چکی ہے کہ دو متصلہ مداروں کے درمیان برقیہ کا وجود ممکن ہی نہیں ہے ۔ لیکن نور پیدا کرنے کے لئے برقیے (electron) ہر وقت اور اس وقت بھی ان مداروں کی درمیانی فضا کو پار کر رہے ہیں ۔ اس فضا کو پار کر رہے ہیں جہاں ان کا طبعی وجود ممکن ہی نہیں ہے ۔ بالکل ایسے ہی جس طرح ریاضی اور معمولی تجربہ کی بنا پر کسی معمولی انسان کا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک پل بھر میں پہنچ جانا ممکن نہیں ہے ۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ یہ بھی واقعہ ہے کہ برقیے اس ممنوعہ فضا کو پار کرتے ہیں ۔ یہ تو بالکل ویسی ہی بات ہوئی جیسی رسول مقبول نے ارشاد فرمائی اور قران کریم نے اس کی تصدیق کی کہ ”سبحن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاًمن المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا“ ۔

سائنس میں جب ہم نور کی پیدائش پر بحث کرتے ہیں تو ہم کسی خارق عادت معجزہ پر بحث نہیں کر رہے ہوتے ہیں بلکہ ہم قانون قدرت اور خداوند کریم کی عادت جاریہ کی دریافت میں لگے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ماہرین طبیعیات نے خدا کی اس عادت اور قدرت کے اس قانون کو دریافت کرنے کی کوشش کی جس کے ذریعہ سے ایک طبعی جسم برقیہ جوہر کے اندر ایک مدار یا خول سے کود کر

ممنوعہ فضا کو پار کر کے دوسرے مدار یا خول پر پہنچتا ہے ۔ کوشش کرنے پر بات بڑی سیدھی سادی نکلی ۔

آپ جانتے ہیں ہمارے مادی عالم میں دو قسم کی طاقتیں ہیں جو ہر جگہ اور ہر وقت سرگرم عمل نظر آتی ہیں ایک قوت جاذبہ ۔ دوسری برق و مقناطیسی یا برقناطیسی قوت ۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں قوت جاذبہ کا راج ہے ۔ ساری چہل پہل کا اس پر ہی مدار ہے ۔ اس کی ہی وجہ سے مسجد حرام سے مسجد اقصا تک پل بھر میں پہنچنا ناممکن معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن آئیے ذرا دیکھیں یہ قوت جاذبہ ہے کیا ؟ جس وقت نیوٹن نے قانون جذب پیش کیا تو اس کے سمجھنے میں بڑی دقت پیش آئی ۔ اس کے مطابق عالم کون و مکاں کا ہر ذرہ ہر دوسرے ذرہ کو چاہے وہ کہیں بھی ہو اپنی طرف کھینچتا ہوا مانا جاتا ہے اور اس شان سے کھینچتا ہوا مانا جاتا ہے کہ کوئی درمیانی رکاوٹ نہ اس میں حارج ہو سکتی ہے نہ اس کو گھٹا یا بڑھا سکتی ہے ۔ ہر چیز اس کے لئے شفاف بلکہ شفاف تر ہے اور ہر لمحہ اس کا عمل جاری ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر لمحہ عالم کے ہر مادی ذرہ کی طاقت ہر دوسرے مادی ذرہ تک منتقل ہو رہی ہے ۔ لیکن طاقت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کے لئے کسی واسطے (medium) کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جس وقت یہ بحثیں ہو رہی تھیں اس وقت تک کی ہیئت کی تحقیقوں نے یہ ثابت کردیا تھا کہ ستاروں اور سیاروں کی درمیانی فضا میں کوئی مادی واسطہ موجود نہیں ہے ۔ اب تو قوت جذب کے انتقال کی معجزانہ صلاحیت کو سمجھنے کے لئے مادیئین کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ۔ لیکن انہوں نے ایک مفروضہ کے ذریعہ اس مشکل کو بڑی آسانی سے حل کرلیا ۔ انہوں نے مان لیا کہ سارے عالم کون و مکاں میں ایک ایسا واسطہ پھیلا ہوا ہے جو ہر چیز میں سرایت کر جاتا ہے ۔ اس واسطہ کو اثیر کا نام دیا گیا ، اور مان لیا گیا کہ قوت جاذبہ اس کے ذریعہ ہی منتقل ہوتی ہے ۔

ابھی قوت جذب کے لئے اثیر (Ether) کی موجودگی کا جواز پیش ہی ہوا تھا کہ ھائجنس نے نور کی ماہیت کے متعلق لہروں کا نظریہ پیش کردیا ۔ لطف یہ کہ نور بھی خلا میں سفر کرتا ہے ۔ اور لہروں کے لئے بھی کسی واسطہ کی موجودگی ضروری ہے ۔ اس لئے اثیر کی اور بھی زیادہ شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ اور یہ مان لیا گیا کہ اثیر تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور وہ ہر شے میں سرایت کئے ہوئے ہے ۔ نور کی برقناطیسی قاطع عرضی لہریں (Electro-magnetic transverse waves) اثیر میں تیس لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں اور ہر سیکنڈ میں اربوں بار لہراتی ہیں ۔ اس کو فولاد سے لاکھوں گنا زیادہ لچکیلا اور ہوا سے کروڑوں گنا زیادہ دباؤ والا ہونا چاہئے ۔ یہ تو بڑی ناقابل فہم باتیں تھیں ۔ ویسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عقل سے بعید جیسی مذہب والوں سے منسوب کی جاتی ہیں ۔

جب اثیر کی اور خصوصیات دریافت کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس مادی عالم میں لمبائی ، وزن یا وقت کسی کو بھی قیام نہیں ۔ ان سب کا مدار جسموں کے درمیان اضافی رفتاروں پر ہے ۔ یہ اس لئے کہ جس طرح ہر مادی جسم کے ساتھ لمبائی ، چوڑائی اور اونچائی وابستہ ہیں بالکل اسی طرح وقت بھی ان کا جزو ترکیبی ہے ۔ ایک گندھی ہوئی مٹی کا ٹکڑا لیجیے ۔ اس کا ایک مکعب بنا لیجیے ۔ آپ جس طرح چاہیں اس کی لمبائی چوڑائی کو کم یا زیادہ کرسکتے ہیں ۔ کیونکہ ان تینوں جہتوں میں اسے آزادی حاصل ہے ۔ نظریہٴ اضافیت کے مطابق وقت بھی مادی عالم کی ہر شے کا ایک ایسا ہی جزو عنصری ہے جیسے اس کی لمبائی ۔ چوڑائی اور اونچائی ۔ یہ چوتھا بعد ہے ۔ حکیم آئنسٹائن نے ثابت کیا کہ ایسی چار ابعادی فضا میں دو نقطوں کے درمیان سب سے چھوٹا فاصلہ خط مستقیم نہیں ہوگا بلکہ ایک شلجمی یعنی (Hyperbolic) منحنی ہوگا ۔ اس کا تجربی مشاہدہ بھی ہوگیا ۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ قوت جاذبہ اصلیت میں کچھ بھی نہیں ۔ وہ چار ابعادی فضا میں مادہ کے نواح میں فضا کے اس شلجمی خم (Hyperbolic curvature) کا نتیجہ ہے ۔ اس کے ساتھ ہی نظریہٴ کوانٹم اور ویو مکینکس کے ذریعہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نور کا اشعاع لہروں کے ذریعہ نہیں بلکہ ضیائیوں یا فوٹانوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے ۔ گو فوٹان خود چند لہروں کے ایک جمگھٹے کا نام ہے تاہم اب قوت جاذبہ اور نور کے انتقال کے لئے عالم کون و مکان میں پھیلے ہوئے اثیر یا ایتھر کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ ہاں یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارے عالم کی فضا تین ابعادی نہیں بلکہ چار ابعادی ہے ۔

اس ہیجان انگیز اکتشاف نے کائنات کے اس انقلاب آفریں تصور کو سمجھنے کی راہ ہموار کردی جس کی ابتدا اسریٰ اور معراج کے معجزات رسول اکرم کو عطا کر کے دست قدرت نے خود کی تھی ۔ اب تک وقت صرف ایک سمت میں بہنے والا دریا تھا جو ماضی سے حال اور مستقبل کی طرف بہتا تھا اور اس کا بہاؤ کبھی تبدیل نہ ہوتا تھا ۔ اب وہ لمبائی ، چوڑائی اور گہرائی کی تین سمتوں کی طرح کائنات کے بحر ذخار کی چوتھی سمت بن گیا ۔ اب کسی متحرک جسم کے دو نقطوں کے درمیان فاصلہ دریافت کرنے کے لئے لمبائی چوڑائی اور اونچائی کی طرح وقت کے عنصر کی تبدیلی کا شمول بھی ضروری ہوگیا * اور اب چار ابعادی کون و مکانی فضا میں

---

* تین جہتوں میں متحرک جسم کے ترسیم کے دو نقطوں کے درمیان فاصلہ $dz^2+dy^2+dx^2=ds^2$ چار جہت والی فضا میں یہ فاصلہ $c^2dt^2=dz^2+dy^2+dx^2$ چنانچہ چار ابعادی فضا میں یہ مساوات Space-time (کون و مکانی) نظام میں دو قریبی نقطوں کے درمیان فاصلہ کا تعین کرتی ہے ۔ اس کے مطابق

$$dt=\frac{\pm\sqrt{dx^2+dy^2+dz^2}}{c}$$

دو نقطوں کے درمیان فاصلہ کی جو مساوات حاصل ہوئی اس سے صاف ظاہر تھا کہ ماضی کی طرف حرکت ناممکن نہیں رہی۔ کم از کم ریاضیاتی نقطہ نظر سے۔ اس ذہنی انقلاب کا عام سوجھ بوجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ ایچ۔ جی۔ ویلس نے قصہ کہانیوں میں وقت میں سفر کرنے کی مشین کا استعمال شروع کردیا اور اس میں ماضی کی پہنائیوں کی سیر کروانا شروع کردی۔ یہ تو خیر قصہ کہانی کی بات تھی۔ سر آرتھر ایڈنگٹن نے کون، مکان اور جذب (Space, Time and Gravitation) پر ریاضی کی ایک معیاری کتاب میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کے مقدمہ میں فرمایا کہ چوتھی بعد کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک انسان کو کسی کمرہ میں ابعاد ثلاثہ کی چھٹوں طرفوں سے یعنی فرش، چار دیواروں اور چھت سے بند کردیا جائے تو چونکہ یہ کمرہ چار ابعادی ہے اس کی چوتھی سمت کھلی رہے گی۔ اگر اس کمرہ کے اندر بند انسان اپنی چوتھی بعد یعنی وقت کو استعمال کرنا جانتا ہو تو وہ اس ابعاد ثلاثہ کے بند کمرہ سے اس چوتھی بعد کی بساطت کو استعمال کر کے باہر بھی آسکتا ہے اور اندر بھی جا سکتا ہے اور یہ اس حالت میں ہوگا کہ کمرہ کا فرش، اس کی چاروں دیواریں اور اس کی چھت سب اپنی جگہ جوں کی توں قائم رہیں گی۔

یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی۔ اب ریاضی میں وہ باتیں ہونے لگیں جو پہلے بزرگوں کی کرامتوں کے سلسلہ میں کی جاتی تھیں۔ اور جن کو دانشور سائنسدان حماقت، وہم اور عقیدتمندی کے ڈھکوسلوں کا نام دیا کرتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ ایسی محیرالعقل نشانیوں کا ظہور پذیر ہونا قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے یہ صلاحیت تو انسان اور کائنات کے تعمیری عنصر میں شامل ہے۔ ضرورت جس بات کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان کو اس صلاحیت کے استعمال کرنے کا طریقہ آنا چاہئے۔ ہر نیا طریقہ سیکھنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کو ریاضت کہتے ہیں۔

اس چار ابعادی بساطت رکھنے والی کون و مکانی فضا میں مادہ کی موجودگی سے ایک قسم کا خم پیدا ہوجاتا ہے اور ایک قسم کا تناؤ نمودار ہوجاتا ہے اس کو قوت جاذبہ کہتے ہیں۔ اور اس تناؤ کو قوت جاذبہ کا میدان (Gravitational field) کہتے ہیں۔

برق اور مقناطیس کی قوتیں اس سے مختلف ہیں۔ اگر ایک دائرہ میں برقی رو گھوم رہی ہو تو اس کے چاروں طرف اس سے زاویۂ قائمہ بناتا ہوا فضا میں ایک تناؤ پیدا ہوجاتا ہے جو مقناطیسی سوئیوں کو گھما کر اپنے ساتھ متوازی کرلیتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مقناطیسی تناؤ کے میدان میں تاروں کا ایک لچھا لٹکا کر اسے تیزی کے ساتھ گھمایا جائے تو لچھے میں برقی رو پیدا ہوجاتی ہے۔ یا اگر ایک تاروں کا لچھا لٹک رہا ہو اور اس پر اثر انداز ہونے والے مقناطیسی تناؤ کو کم یا زیادہ کیا جائے تو بھی برقی رو پیدا ہوجاتی ہے۔ بجلی کے پنکھے اور ڈائنمو

اس کی ھی جیتی جاگتی مثالیں ھیں ۔ اس کے معنی یہ ھوئے کہ برق سے مقناطیسی تناؤ پیدا ھوتا ھے اور مقناطیس سے برقی تناؤ اور یہ دونوں تناؤ ایک دوسرے سے زاویہ، قائمہ بناتے ھوئے ھوتے ھیں ۔ لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ۔ برقی تناؤ کی کمی یا زیادتی سے مقناطیسی تناؤ پیدا ھوتا ھے اور مقناطیسی تناؤ کی کمی یا زیادتی سے برقی تناؤ ۔ ان دونوں تناؤں کو ملا کر برقناطیسی تناؤ کہتے ھیں ۔ یہ لمبائی ، چوڑائی ، یا اونچائی سے بھی فطرتاً مختلف ھے اور وقت سے بھی ۔ چنانچہ ابعاد ثلاثہ کے ساتھ وقت کے شمول سے جو چار ابعادی فضا اور اس فضا میں تناؤ یا خم پیدا ھوتا ھے یہ اس سے بھی مختلف ھے ۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ بھی اس فضا کے بنیادی عنصر میں شامل ھے جن کو ھم ابعاد سے ظاھر کرتے ھیں ۔ اس کے یہ معنی ھوئے کہ برقناطیسی کیفیت مادی عالم اور اس کی فضا کسی پانچویں بعد یا پانچویں بساطت کو ظاھر کرتی ھے ۔ اس کا ظہور ابتدائی ذرات (Elementary Particles) کے اُن مجموعوں کی موجودگی سے نہیں ھوتا جن کو ھم جوھر یا سالمہ یا خلیہ کہتے ھیں بلکہ یہ اپنے ظہور کے لئے ابتدائی ذرات کے مجموعوں کی مرھون منت ھے ۔

ھم کوشش کر رھے تھے اسراء کو سمجھنے کی ۔ اس کے لئے ھمیں وقت اور برقناطیسی قوتوں کو سمجھنا پڑا ۔ اب ھم آگے بڑھ سکتے ھیں ۔ جوھر کے اندر جو برقیوں (الیکٹرانوں) کے مدار (orbit) یا خول (shell) ھیں وہ چار ابعادی فضا میں واقع ھیں ۔ ھم نے تجربہ سے اچھی طرح یقین کرلیا کہ وہ ان مداروں یا خولوں کی درمیانی فضا میں کبھی نہیں پائے جاتے ۔ نظریہ کوانٹم کی بنیاد اس ھی واقعہ پر ھے اور ریاضی سے بھی یہ ثابت ھے لیکن جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ھے وہ کسی نہ کسی طرح اس ممنوعہ علاقہ کو پار کرتے ھیں، بار بار پار کرتے رھتے ھیں اور اسی طرح ھم کو نور حاصل ھوتا ھے ۔ سوال یہ ھے کہ یہ نظریاتی طور پر ناممکن بات عملی طور پر ممکن کیسے ھوجاتی ھے ۔

اگر ھم ذرا غور کریں تو معلوم ھوتا ھے کہ ابتدائی ذرات (Elementary Particles) اپنی تعمیر کے لحاظ سے برقناطیسی ھوتے ھیں ۔ تموجی میکانیات (Wave mechanics) میں ان کے ایک مدار یا خول سے دوسرے مدار یا خول پر جانے کی توضیح اس طرح کی جاتی ھے کہ جوھر کے اندر قوت جاذبہ کی طاقت اگر ایک مان لی جائے تو برقناطیسی طاقت اس کے مقابلہ میں ۱۰^۴۰ یعنی دس کی قوت چالیس گنا زیادہ ھوتی ھے ۔ چنانچہ ماھرین تموجی میکانیات کا کہنا ھے کہ برقناطیسی طاقت اصلیت میں پانچویں بعد کی کارفرمائی پر منحصر ھے اس لئے جب جوھر کے اندر چار ابعادی فضا میں برقیہ کو دھکا لگتا ھے تو وہ چار بعد والی فضا سے نکل کر باھر جا پڑتا ھے اور برقناطیسی قوت کے حاوی ھونے کی وجہ سے برقناطیس کی پانچویں بعد میں سفر کرتا ھوا ایک مدار سے دوسرے مدار پر پہنچ جاتا ھے ۔ یہ برقیہ ایسی ھی فضا کو پار کرتا ھے جیسی مکہ اور یروشلم یا مادی عالم میں

کسی دو مقاموں کے درمیان ہے ۔ اور برقیہ کا یہ سفر اس شان سے ہوتا ہے کہ نہ تو تجربہ سے اس کو اس چار بعد والی فضا میں کہیں پایا جاسکتا ہے اور نہ ریاضی سےاس میں اس کا وجود کہیں ثابت کیا جاسکتا ہے ۔

آپ نے دیکھا ! موجودہ سائنس کی ترقیوں نے ہمیں دکھایا کہ مادی عالم میں ایک طبعی جسم۔ برقیہ یا الیکٹران چار بعد والی فضا سے نکل کر پانچ بعد والی برقناطیسی فضا میں سفر کرسکتا ہے ۔ جب وہ یہ چار بعد والی فضا کے فاصلے طے کرتا ہے تو اس فضا کے رہنے والے اور اس فضا کے آلات نہ اسے دیکھ سکتے ہیں نہ اس کا تعین کرسکتے ہیں ۔ اور ہم اس کی کیفیت کو مادی عالم کے عادی اشارات یعنی زبان میں بیان بھی نہیں کرسکتے ۔ تا ہم برقناطیسی بساطت میں سفر کرنے کے لئے سواری کا نام براق سے بہتر کیا ہوسکتا ہے ۔ یہ آج میں عرض نہیں کر رہا ہوں۔ یہ نام ہم نے اپنے امی نبی صلعم کی زبان سے اس وقت سنا جب دنیا نہ مادہ کی حقیقت سے واقف تھی نہ وہ جذب کو سمجھتی تھی نہ اس کے ذہن میں چار بعد والی فضا کا تخیل تھا ۔ نہ ہم برقیہ یا الیکٹران سے واقف تھے نہ برقناطیسیت سے ۔ اس وقت اضافیت (Relativity) ، کوانٹم تھیوری اور ویو میکانکس کا تو ذکر ہی کیا تھا ۔ اس وقت کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس مادی عالم میں دو دور دراز مقامات کے درمیان کشش اور رگڑ سے بالا تر ہوکر سفر پل بھر میں ممکن ہوسکتا ہے ۔ اس وقت رسول مقبول صلعم محبوب دوعالم نے فرمایا کہ میں نے مسجد حرام سے مسجد اقصا تک براق پر سفر کیا ۔ اس کا ہر قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا ۔ آپ نے مکہ کی طرف آتے ہوئے قافلہ کو دیکھا لیکن قافلہ والوں نے آپ کو نہیں دیکھا ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول مقبول نے پانچویں بعد میں اپنی پانچویں جہت بساطت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے طبعی جسم اور روح کے ساتھ یہ سفر براق پر طے کیا ۔ یہ تو موجودہ سائنس کی مہیا کی ہوئی معلومات کے ذریعہ توضیح ہوئی اسرای کی ۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ایک برقیہ کے پانچویں بعد میں سفر اور ایک ذی روح مادی جسم کے اس ہی بعد میں سفر کرنے میں بہت فرق ہے ۔ یقیناً فرق تو ہے ۔ لیکن جب اجزاء ترکیبی میں پانچویں بعد کی بساطت استعمال کرنے کی صلاحیت ہے تو یہ صلاحیت ان کے مجموعہ یعنی انسانی جسم سے کس طرح سلب کی جاسکتی ہے ۔ اسرای کے موقعہ پر ہی اس مکمل مجموعہ نے یہ بساطت استعمال کی اور دنیا کو حیران کردیا بالکل اسی طرح جیسے آج بھی جب ایک برقیہ اس جہت بساطت کو استعمال کرتا ہے تو ماہرین طبیعیات اور ریاضی کو حیران اور پریشان کردیتا ہے ۔

اب ہم معراج کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ۔ یہ ذرا مشکل مقام ہے ۔ کیونکہ اس میں حضور سرور کائنات نے آسمانوں کی سیر کی، دوزخی اور جنتی روحوں

کو دیکھا ، سدرۃ المنتہا تک پہنچے۔ وہاں افق اعلیٰ پر طاقت والے اور زور آور کا مشاہدہ کیا ۔ اس نے آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو سکھانا چاہتا تھا ۔ پھر وہ قریب سے قریب تر آیا یہاں تک کہ درمیانی فاصلہ دو کمان یا اس سے بھی کم کا رہ گیا ۔ پھر واپس ہوتے ہوئے اس کا جمال ایک موقع پر پھر دیکھا ۔ ویسے دیکھا جیسے حضرت موسیٰ نے طور پر دیکھا تھا لیکن نہ آپ کی آنکھ جھپکی نہ حد سے آگے بڑھی ۔ ان تمام واقعات کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے ہمیں نہ صرف دو کمانوں کے فاصلہ کی حقیقت کو سمجھنا پڑے گا بلکہ اس عالم کون و مکاں کی ترکیب تخلیقی کو جانچنے کے بعد یہ جائزہ لینا پڑے گا کہ کیا یہ سارے تجربات مادی جسم کے ساتھ ممکن بھی تھے ۔

پہلے دو کمانوں کے فاصلہ کی حقیقت کو سمجھ لیجئے ۔ اس سے مسئلہ کی وسعت اور مشکلوں کا اندازہ ہو جائے گا اور پھر ان کی مناسبت سے ہی کوشش کی جاسکے گی ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک کمان کا فاصلہ وہ ہے جہاں تک ایک بہترین کمان کا پھینکا ہوا تیر پہنچے ۔ ان کے نزدیک قاب قوسین اوادنیٰ کے معنی یہ ہوئے کہ بہترین کمان سے پھینکے ہوئے تیر کے فاصلہ سے دگنا یا اس سے کچھ کم ۔ اس نقطہء نظر سے کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوتی ۔ یہ فاصلہ ایک میل کے برابر ہو ، آدھے میل کے برابر ہو ، سو گز ہو ، پچاس گز ہو بہرحال فاصلہ ہے اور تین بعد والی فضا کا تصور ضرور اس کے ساتھ وابستہ ہے ۔ رسول مقبول کے جسم اور ذات باری تعالیٰ میں بہرحال فصل رہتا ہے ۔ پھر ہم جب یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی رگ جان سے بھی قریب ہے ۔ پھر اس سے دو کمانوں یا اس سے کم فاصلہ کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ اگر دو چلا چڑھی ہوی کمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر لمبا لمبا رکھ دیا جائے تو اس سے جو فاصلہ حاصل ہوگا وہ کمانوں کا فاصلہ ہوگا اور قاب قوسین او ادنیٰ کے معنی ہوے کہ اتنا فاصلہ یا اس سے کچھ کم ۔ اس پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ۔ اب سو اور پچاس گز کی جگہ دس اور پانچ گز رکھ لیجئے لیکن سہ ابعادی فاصلہ بہرحال قائم رہتا ہے ۔ اسی سلسلہ میں عبداللہ یوسف علی کا خیال ہے کہ اگر دو کمانوں کے چڑھے ہوئے چلوں کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھ دیں تو ان سے ایک دائرہ بن جائے گا اور قاب قوسین او ادنیٰ سے یہی مراد ہے ۔ اس میں رسول اور خدا میں برابری کا چکر ضرور پیدا ہو جاتا ہے لیکن کوئی خاص اہمیت نظر نہیں آتی ۔ میرا خیال ان سب سے مختلف ہے ۔ دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم سے مراد یہ ہے کہ اگر دو قوسوں کے محدب خموں کو ایک دوسرے سے چھوتا ہوا رکھیں تو یہ قوس قریب قریب کے دو نقطوں پر چھوتے ہوئے ہوں گے ۔ اب اگر فاصلہ اس سے بھی کم ہو تو یہ دونوں نقطے ایک دوسرے پر منطبق ہو جائیں گے اور مماس (Tangent) کی کیفیت پیدا ہو جائے گی ۔ مجھے قاب توسین او ادنیٰ کے بھی معنی معلوم ہوتے ہیں

کہ وہ طاقت والا اور زور آور اور رسول اکرم قریب ہوتے ہوئے اتنے قریب ہوئے کہ ایک نکتہ پر مماس جیسی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ بلکہ انطباق جیسی ۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور سرور کائنات خالق کائنات کے ساتھ عرش معلیٰ پر پہنچ کر ایک نقطہ پر مل گئے تو کیا وہ معاذاللہ ۔ توبہ ۔ بذات خود خدا نہیں ہوگئے ۔ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتے ۔ عرش اور عرش معلیٰ پر خدائے لم یزال کی بساطتیں گو اس عالم کون ومکاں اور سات آسمانوں اور سدرة المنتہا سے زیادہ ہیں لیکن ہیں وہ بہرحال دونوں جہانوں کی انتہائی بساطتوں کے برابر کیونکہ اس ہی صورت میں عالم دوجہاں کے لئے مقدر کئے ہوئے فیصلے عرش سے اثر پذیر ہوسکتے ہیں۔ اس کے خلاف خدائے مطلق وحدہٗ لاشریک لہ کی بساطتیں لامحدود ہیں ۔ عرش معلیٰ، سدرة المنتہا ، سات آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ بہرحال اس لامحدود ہستی کا ایک کرشمہ ہیں جو خود اس کے برابر ہرگز نہیں ہوسکتے۔ حضور سرور کائنات کے عرش پر خدائے عزوجل کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے مماس کی حالت میں پہنچ جانے کے یہ معنی ہوئے کہ حضور کو ایک لمحہ کے لئے اپنی اس طبعی زندگی کے دور میں مادی جسم کے ساتھ جو طبعی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے ایک لمحہ کے لئے وہ تمام بساطتیں حاصل ہوگئیں جو کائنات کا تعمیری جزو ہیں اور وہ علم حاصل ہوگیا جو ان بساطتوں کا لازمی نتیجہ ہے ۔ قاب قوسین او ادنیٰ کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں ۔ ہاں یہ درست ہے کہ یہ درجہ نہ کسی انسان کو نصیب ہوا اور نہ کسی اور نبی کو ۔ یہ فضیلت تو خدا نے اپنے محبوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی مخصوص کر رکھی تھی ، اور آن ہی کو زیب دیتی تھی ۔

اس کے بعد نماز اور روزوں کے فرض کئے جانے کے احکام صادر ہوئے اور واپسی پر جنت الماویٰ کے قریب سدرة المنتہا پر حضور سرور کائنات کو نظارہٗ جمال خداوندی پھر حاصل ہوا ۔ یہ بالکل ویسے ہی حاصل ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی کے بعد دیدار خداوندی کوہ طور پر حاصل ہوا تھا سدرة المنتہا پر بالکل ویسی ہی تجلی چھائی ہوئی تھی جیسی کبھی کوہ طور پر چھائی تھی ۔ اس وقت حضرت موسیٰ غش کھا کر گر پڑے تھے ۔ اپنی جوتیاں اتارنا بھول گئے تھے۔ حضور سرور کائنات پر ایسی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوئی ۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ۔ دماغ نے اس کی گواہی دی اور کسی قسم کے خوف و ہراس یا بے ادبی کا ارتکاب نہیں ہوا ۔ مازاغ البصر وماطغی ۔ کے یہی معنی ہیں ۔

یہ سب کچھ کہاں ہوا اور کیسے ہوا ؟ پچھلے زمانوں میں دنیا کی وسعت کا اندازہ نہیں تھا ۔ البیرونی نے کتاب التفہیم میں زمین سے ستاروں کے آسمان کا فاصلہ صرف ۲۹۳، ۷۵، ۲۹، ۲ فرسنگ دیا ہے ۔ مان لیجئے کہ وہ ۳ کروڑ فرسنگ

تھا اس وقت تین ابعادی دنیا میں پہلا ساتواں آسمان پار کرنے کے لئے اس فاصلہ کو پار کرنا ضروری تھا۔ واقعی یہ تو بڑا لمبا فاصلہ تھا اور اس کو پار کرنا بڑا مشکل سمجھا جاتا تھا۔ اس کو پار کرنے کے لئے زمہریر اور نار کے طبقوں سے گذرنا پڑتا تھا۔ پھر آسمان بھی تو پرانے خیال کے مطابق کسی شفاف شیشے جیسی چیز کے بنے ہوئے تھے۔ ان کو پار کرنا تو اور بھی مشکل ہوا لیکن اب جہاں تک فاصلوں کا تعلق ہے یہ مشکل آسان نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے دو سو انچ کی مناظری دوربین سے اور بڑی بڑی ریڈیو دوربینوں کے ذریعہ بہت یقین کے ساتھ معلوم کرلیا ہے کہ ہمارے مادی عالم کا کنارہ ہماری زمین سے کھربوں، اربوں نوری سال دور ہے۔ اور یہ تو صرف پہلے آسمان کا کنارہ ہے کیونکہ اس کی اندرونی فضا روشنیوں یعنی ستاروں سے سجی ہوئی ہے۔ علاوہ بریں نظریہ اضافیت نے جہاں وقت کی جہت کو استعمال کرنا ممکن بنا یا وہیں یہ بھی ثابت کردیا کہ اس چار ابعادی فضا میں زیادہ سے زیادہ رفتار جو حاصل کی جاسکتی ہے وہ نور کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر چار ابعادی عالم میں سفر کیا جائے تو نور کی رفتار سے چلنے والی تیز ترین سواری پر پہلا آسمان ہی پار کرنے میں اربوں کھربوں سال لگ جائیں گے۔ ہاں اس رفتار سے سفر کرنے والے کی عمر ٹھیری رہے گی کیونکہ اس کا وقت ساکن ہو چکا ہوگا۔ لیکن معراج کے واقعہ میں تو یہ ہوا کہ نہ صرف سرور کائنات کی عمر قائم رہی بلکہ اس مادی زمین کا وقت بھی کچھ زیادہ آگے نہ بڑھا۔ آپ روانگی کے وقت اپنے دروازہ کی کنڈی کو ہلتا ہوا چھوڑ گئے تھے۔ واپسی پر بھی وہ ہل ہی رہی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور سرور کائنات کی معراج کے موقعہ پر سارا کارخانہ قدرت اربوں کھربوں سال کے لیے ٹھہرا دیا گیا تھا؟ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول مقبول کے اپنے بیان کے مطابق اس سارے واقعہ میں صرف اتنا وقت لگا تھا کہ واپسی پر آپ کے دروازہ کے کنڈی ہل ہی رہی تھی۔ اگر واقعہ یہ ہوتا کہ معراج کے دوران کارخانہ قدرت کا وقت کے مدار پر چلنا روک دیا گیا تھا تو یقیناً حضور سرور کائنات جیسے صادق البیان اس کو ایسے الفاظ میں بیان کرتے کہ جس سے یہ مطلب کسی نہ کسی طرح نکالا جاسکتا۔

بہرحال یہ مسئلہ یقیناً بڑا مشکل ہے۔ آئیے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم نے آثار قلم اور آثار قدم کے ذریعہ اسریٰ کی تحقیق کے دوران یہ معلوم کیا کہ روشنی پیدا کرنے کے لئے جواہر کے اندر برقیے یا الیکٹران برقناطیس کا پانچواں بُعد یا پانچویں جہت آزادی استعمال کرتے ہیں اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے مجموعے یعنی مادی اجسام بھی اس جہت آزادی کو استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس جہت کو استعمال کرسکتے ہیں

اگر انہیں سفر کرنے کے لئے کوئی براق جیسی سواری مل جائے چنانچہ حضور سرورِ کائنات نے برقناطیسی پانچویں جہت کی بساطت کو استعمال کر کے براق پر مکہ سے یروشلم تک سفر کیا ۔ وہ وقت ۔ لمبائی ۔ چوڑائی اور اونچائی کی چاروں ابعاد سے ماوراء تھا اس لئے مادی عالم اور اس کی بندشیں نہ آپ کو روک سکیں اور نہ کوئی گزند پہنچا سکیں ۔ معراج کو سمجھنے کے لئے ہمیں ذی روح انسان کی ممکنہ بساطت کی جہتوں اور اس کے بعد آسمان ، سدرۃ المنتہا اور عرش کی جہتوں کو سمجھنے کے لئے فلسفہ ابعاد (Philosophy of Dimensions) کو پوری طرح سمجھنا پڑے گا ۔ اب ہم بوئے ناف سے آہو مقصود تک پہنچنے کی کوشش کریں گے ۔

ریاضی کی زبان میں بعد یا جہت نام ہے حد بساطت کا ۔ ایک نقطہ میں نہ لمبائی ہوتی ہے نہ چوڑائی ہوتی ہے نہ موٹائی ۔ وہ صرف ایک خیالی مقام ہوتا ہے ۔ وہ کسی سمت میں حرکت نہیں کرسکتا ۔ اس کو کوئی بساطت حاصل نہیں ہوتی ۔ اس کی بعد صفر ہوتی ہے ۔ الجبرہ میں اس کو کسی بھی عدد یا حرف کی طاقت صفر سے ظاہر کیا جاتا ہے جیسے لا۰ ۔ بحر زخار میں کسی کی آزادی ختم ہو کر وہ فنا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو وہ جذب ہوجاتا ہے واحد مطلق میں ۔ اور باقی رہتا ہے صرف ایک ہے ۔

اب اگر اس نقطہ کو ایک جہت میں حرکت کی آزادی عطا کردی جائے تو وہ آزادی کی سمت میں خط مستقیم بنائے گا ۔ اس کی آزادی کی حد اور اس کی بُعد ایک کہی جائے گی اور اس کو الجبرہ میں کسی عدد یا حرف کی طاقت ایک سے ظاہر کیا جائے گا یعنی لا ۔ اگر ایک مساوات ہو لا = ۵ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر نقطہ کا فاصلہ محور فصلہ (axis of abcissa) سے ہر مقام پر پانچ ہوگا اور محور فصلہ کے متوازی ایک خط مستقیم بنتا چلا جائے گا ۔ لا' = ۵ ما' ہو تو ایک ایسا خط مستقیم بنتا چلا جائے گا جس میں ہر مقام پر اگر مرکز سے لا کا فاصلہ ہوگا تو ما کا ہوگا ۔

اسی طرح اگر دو جہتوں میں حرکت کرنے کی آزادی حاصل ہو تو اس سے سطح بن سکے گی اور اس کی الجبرائی مساوات ۲ کی طاقت والی ہوگی جیسے لا۲ + ب لاما + ج ما۲ = صفر نقطہ کو تین جہتوں میں حرکت کی آزادی سے مکعب بنے گا اور اس کی مساوات تین طاقت والی ہوگی مثلاً ا لا۳ + ب لا۲ ما + ج لا ماک + د لاما۲ + ہ مای۲ + وما۳ + زک۳ = صفر ۔ چنانچہ تین بعد والے مادی اجسام کو ریاضی کی زبان میں بیان کرنے کے لئے جو بھی مساوات ہوگی وہ تین طاقت والی ہوگی ۔ اور مادی عالم جس کا وقت بھی ایک لاینفک حصہ ہے اس کو بیان کرنے کے لئے چار بعد والی یا چار ابعادی ۔ تین ابعادی مساواتوں کے طبعی نمونے ہم بڑی آسانی سے بنا سکتے ہیں کیونکہ ہماری روزمرہ کی زندگی ایسے ہی

نمونوں سے معمور ہے ۔ لیکن چار ابعادی مساوات کو طبعی شکل دینا ذرا مشکل ہے ۔ لیکن جب اس کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں ہر خط خم شلجمی یعنی (Hyperbolic) ہوگا اس کی فضا محدود بھی ہوگی اور لامحدود بھی اور اس کی شکل کچھ گھوڑے کی زین جیسی ہوگی ۔ پانچ بعد والی یا پانچ بساطتیں رکھنے والی فضا یا اس سے اعلیٰ ابعادی فضاؤں کا طبعی تصور ہم قائم نہیں کرسکتے کیونکہ ہماری سہ ابعادی فضا کا کوئی نمونہ اس کو ظاہر کرنے کے قابل نہیں ہے ۔ اس کو صرف ریاضی کی مساواتوں سے ہی ظاہر کیا جاسکتا ہے ۔

میں نے ابعاد یا بساطتوں کی حد کے ساتھ علم کا ذکر کیا تھا ۔ آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے متعلق بھی اپنے خیالات کو ذرا واضح کرلیں ۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک دو ابعادی سطح پر دو ایسے مثلث کھینچے جائیں جن کے تینوں ضلعے برابر ہوں تو وہ دونوں مثلث بالکل برابر ہوں گے ۔ ہم اس مسئلہ کو ثابت کرکے یقینی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ صرف اس طرح ممکن ہے کہ ایک مثلث کو دوسرے مثلث پر منطبق کیا جائے ۔ لیکن وہ دونوں مثلث تو ایک سطح مرتفع پر کھنچے ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک تین خطوط سے گھرا ہوا ہے اس لئے ایک مثلث دوسرے کی حدود کو پار کرکے دوسرے پر منطبق ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہم ایک مثلث کو بہت احتیاط کے ساتھ قینچی سے کاٹ لیں پھر تیسری جہت میں اوپر اٹھائیں اور پھر ان دو جہتوں میں سرکاتے ہوئے لیجاکر اسے دوسرے مثلث پر رکھدیں ۔ چونکہ ان دونوں مثلثوں کے تینوں ضلع برابر ہیں وہ ایک دوسرے کو ڈھانپ لیں گے اور ہم یہ بات پورے یقین کے ساتھ ثابت کرسکیں گے کہ وہ دونوں مثلث ایک دوسرے کے بالکل برابر ہیں ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دو ابعادی سطح پر مکمل علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں تین ابعادی بساطتوں کو استعمال کرنا پڑا جب کہیں ہمارا علم یقینی اور مکمل ہوا ۔

اب فرض کیجئے کہ ہمارے صفر بعد والے نقطہ کو احساس عطا ہوجاتا ہے اور اس کے ایک طرف سے پن چبھائی جاتی ہے ۔ چونکہ اسے کسی سمت میں حرکت کی آزادی حاصل نہیں ہے اس لئے وہ چبھن تو محسوس کرے گا لیکن وہ اس کی وجہ کے متعلق علم حاصل نہیں کرسکے گا ۔ اب اگر ایک سمت میں حرکت کی آزادی مل جائے تو اس سمت کے تجربات کے متعلق تو وہ کچھ علم تو حاصل کرسکے گا کہ یہ چبھن کہاں سے ہو رہی ہے اور کس قسم کی چیز چبھ رہی ہے لیکن پورا علم حاصل کرنے کے لئے اسے زیادہ آزادیوں کی ضرورت ہوگی ۔ لیکن باقی تمام جہتوں سے واردات کا محض تجربہ اس کے لئے ممکن ہوگا ۔ علم حاصل کرنا ناممکن ۔ ایک تین بعد والے مادی جسم کے لئے تین ابعادی تجربات کے متعلق تو علم حاصل ہوسکے گا لیکن ان سے اعلیٰ ابعادی واردات کی وجہ اور ان کا علم دریافت نہیں کرسکے گا ۔ ہم نے اسراء کے متعلق تحقیق کرتے وقت دیکھا تھا کہ

اس عالم کی فضا کم سے کم پانچ ابعادی ہے اور مادی اجسام کو اس پانچویں بعد کے استعمال کرنے کی آزادی بھی حاصل ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ذی روح انسان مادہ کی تین جہت کے علاوہ وقت اور برقناطیس کی جہتوں میں بساطتیں استعمال کر کے علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے عالم کون و مکاں کی بساطتیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں اور کیا ان کو استعمال کرنے کی انسان کامل میں صلاحیتیں بھی موجود ہیں یا نہیں ۔

غیر اقلیدسی علم ہندسہ (Non-Euclidian Geometry) میں یہ بات تو انیسویں صدی میں ہی معلوم ہوگئی تھی کہ غیر اقلیدسی فضا شلجمی ہو تو اس میں دو نقطوں کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا فاصلہ شلجمی منحنیوں پر واقع ہوگا ۔ اگر غیر اقلیدسی فضا کروی ہو تو دو نقطوں کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا فاصلہ دوائر عظیمہ (Great circles) پر واقع ہوگا ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ستاروں سے خارج ہونے والی نور کی ریڈیو کی شعاعیں فضائے بسیط میں خطوط مستقیم میں تو بہرحال سفر نہیں کریں گی ۔ یا وہ شلجمی خطوط پر ہوں گی یا دوائر عظیمہ پر ۔ اب جب کہ ہم دو سو انچ کی مناظری دوربینوں کے ذریعہ اپنے عالم کون و مکاں کی انتہائی حدود کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں تو یہ بات ممکن ہوگئی کہ اس متنازعہ فیہ مسئلہ کا فیصلہ کر لیا جائے کہ فضا غیر اقلیدسی شلجمی ہے یا کروی ۔ یہ بات تو ۱۹۱۹ء میں سورج گہن کے موقعہ پر نظریہ اضافیت کی جانچ کرنے پر ثابت ہوگئی تھی- ایک ستارے کی شعاع جب سورج کے بالکل قریب سے گذری تو وہ خط مستقیم میں نہ تھی ۔ وہ کچھ مڑ گئی تھی ۔ خط مستقیم سے یہ انحراف اس سے زیادہ تھا جو میکسول کے برقناطیسی نظریہ کے مطابق ہونا چاہئے تھا اور اس کے بہت قریب تھا جو نظریہ' اضافیت کے مطابق چار ابعادی فضا میں ہونا چاہئے ۔ یعنی شلجمی خم کے مطابق لیکن انحراف بالکل اتنا نہیں تھا جتنا کہ آئنسٹائن نے اپنے نظریہ کے مطابق حساب لگا کر بتایا تھا ۔ اب جو امریکہ میں اربوں کھربوں نوری سال کے فاصلہ پر واقع کہکشانی نظاموں سے آنے والی نور اور ریڈیو کی شعاعوں کے خم کی پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ خم نہ تو شلجمی فضا کے مطابق ہے نہ کروی فضا کے مطابق نہ میکسول کے برقناطیسی نظریہ کے مطابق اور نہ اقلیدسی خط مستقیم میں- اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کہ یہ فضا کم سے کم پانچ ابعادی ہے اور اس کی اعلیٰ حد ابھی یقین کے ساتھ متعین نہیں کی جاسکتی ۔ بہرحال یہ بات قطعی طور پر تجربہ اور ریاضی دونوں سے ثابت ہے کہ ہمارے عالم کون و مکاں کی فضا کی بساطتیں بہت زیادہ ہیں ۔ یعنی اس فضا میں نہ صرف لمبائی ، چوڑائی، اونچائی، وقت اور برقناطیسی جہتوں میں سفر ممکن ہے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی راستے ہیں جن کو استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ کوئی ان کو استعمال کرنے کا طریقہ جانتا ہو اور اسے براق یا رف رف جیسی سواری دستیاب ہو جائے ۔ ہم اب تک سائنس کے طریقوں سے ابعاد خمسہ کی

کارفرمائیوں کو سمجھنے میں کامیاب ہوسکے ہیں لیکن ریاضی میں ان کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور تجربہ نے بھی انکا تعین ابھی تک نہیں کیا ہے ۔

ایک انسان کو کسی قید خانہ میں چھ فٹ اونچی دیوار سے بند کردیجئے ۔ اگر اس کو تیسری بعد یعنی اونچائی کی جہت میں سات یا آٹھ فٹ اونچا کودنے کی مشق ہو تو وہ آسانی کے ساتھ اس قید خانہ سے باہر نکل کر آزاد ہوسکتا ہے ۔ اگر اس ہی انسان کو ایک کمرہ میں فرش چار دیواری اور چھت میں بند کردیجئے تو وہ وقت کی چوتھی بعد کو استعمال کر کے کمرہ کی چوتھی بعد سے باہر آسکتا ہے ۔ ہم نے دیکھا کہ ایک برقیہ چار بعد کی ممنوعہ فضا کو پانچویں برقناطیسی بعد میں سفر کر کے پار کرتا ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ارض و سماوات ، سدرۃ المنتہا اور عرش معلیٰ کی بساطتوں کی حد کیا ہے اور انسان کی بساطتوں کی حد کیا ہے ۔ اس کے بعد ہی ہم یہ سمجھنے کے قابل ہوسکیں گے کہ حضور سرور کائنات کیسے جسم اطہر کے ساتھ عرش معلیٰ تک پہنچے اور خدا کے ساتھ قاب قوسین او ادنیٰ یعنی مماس کی فضیلت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔ اس کے لئے ہمیں اس عالم کون و مکان یعنی دو جہاں کی ہیئت کذائی کو سمجھنا ضروری ہے ۔

سورۃ انبیا (۲۱) کی تیسویں اور بتیسویں آیات میں ارشاد ہوتا ہے :

اولم یر الذین کفر وا ان السمٰوات والارض کانتا رتقاً ففتقنٰہما ؕ وجعلنا من الماء کل شیء حی ؕ افلا یؤمنون...	کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا اور بنائی ہم نے ہر چیز جس میں جان ہے پانی سے ۔
و جعلنا السماء سقفاً محفوظاً ۔	اور بنایا ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت ۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ آسمان اور زمین ایک بند حالت میں تھے ۔ گویا ایک بند جرم بنیادی تھا اس بند جرم بنیادی کے کھلنا شروع ہونے پر آسمان اور زمین کی پیدائش شروع ہوئی ۔ یہ دلچسپ حقیقت خداوند علیم و بصیر نے اپنے امی نبی پر اس وقت وحی فرمائی جب دنیا میں کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ عالم کون و مکاں ایک جرم بنیادی کے اب سے چھ سے دس ارب سال پہلے پھٹنے پر وجود میں آیا اور برابر پھیلتا چلا جارہا ہے ۔ یہ بات تو بیسویں صدی آخری نصف میں طبیعات ، کیمیا اور ہیئت کی ترقیوں سے اب کہیں معلوم ہوئی ہے ۔ پھر آسمان کے تصور کو سقفاً محفوظاً کے الفاظ سے بیان فرما کر بساطتوں کی حد کا بیان فرما دینا یقیناً ایک معجزانہ لطافت کلام نہیں تو اور کیا ہے ؟۔ اگر آسمان دس جہتی یا عشرہ ابعادی ہے تو تین ، چار ، یا پانچ جہت والی ہستیاں اس کو پار نہیں کرسکتیں ۔ یہ ان سب کے لئے ایک محفوظ چھت ہے ۔ یہ اعلیٰ ابعادی عالم کے لئے بھی ایک حد ہے ۔ ایک چھت ہے کہ جس سے آگے کم بساطتیں

رکھنے والی ھستیاں نہیں جا سکتیں ۔ بہرحال جرم بنیادی کے کھلنا شروع ہوئے ہر ارض و سمٰوات کی تکمیل کے متعلق سورۃ الاعراف (۷) کی ۵۴ ویں آیت کے شروع حصہ میں ارشاد ھوتا ھے ۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش ۔	کچھ شک نہیں تمہارا پروردگار اللہ ہی ھے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر جا ٹھیرا عرش پر

یہ چھ دن چوبیس گھنٹے والے زمین کے دن نہ تھے کیونکہ زمین ، چاند ، سورج تو بہت بعد میں بنے ھیں یہ خداوندی دن تو آفرینش کے ساتھ شروع ھوگئے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک دن ہزاروں لاکھوں برسوں پر پھیلا ھوا تھا ۔

سورۃ الحج (۲۲) سورۃ المعارج (۷۰) کی آیات نمبر ۴ میں یہ بات بالکل واضح ھو جاتی ھے کہ یوم اللہ ہزاروں زمینی سال کے ھوتے ھیں ۔

الحج (۲۲) آیت ٤٧ ۔ و ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون ۔	اور ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار سال کے برابر ھے جو تم گنتے ھو ۔
المعارج (۷۰) ایت ٤ ۔ تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ۔	چڑھینگے اس کی طرف فرشتے اور روحیں اس دن جس کی لمبائی پچاس ہزار برس ہوگی ۔

اس ھی طرح قرآن کریم کی اور آیات ھیں جن سے یہ اچھی طرح واضح ھو جاتا ھے کہ چھ دن جن میں زمین و آسمان بنے چوبیس گھنٹہ والے دن نہیں تھے بلکہ وہ یوم اللہ تھے جن کا تعین ہزاروں لاکھوں برسوں میں کیا جاسکتا ھے ۔ یہ چھ دن جن میں سماوات اور ارض پیدا ھوئے صرف چھ سماوی دور تھے ۔ ان چھ ادوار میں ارض و سماوات کی تکمیل کی تفصیل بھی قرآن کریم میں درج کردی گئی ھے وہ ھمارے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ھے ۔ سورۃ الانعام (۶) کی پہلی آیت میں ارشاد ھوتا ھے ۔

الحمد للہ الذی خلق السموات والارض و جعل الظلمٰت والنور ۔	سب تعریف ھے اس اللہ کی جس نے بنائے آسمان اور زمین اور پیدا کیا ظلمت اور نور کو

حٰمٓ السجدہ (۴۱) کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ھوتا ھے ۔

ثم استوٰی الی السماء و ھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتآ اتینا طآئعین ۔	پھر وہ مخاطب ھوا آسمان کی طرف جب کہ وہ دھواں جیسا تھا اور زمین کی طرف اور کہا ان سے آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے ۔ انہوں نے کہا کہ ھم خوشی سے آتے ھیں ۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ آسمان اور زمین کا ارتقاء ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہی ہونا تھا، الگ الگ نہیں۔ یعنی مادی اجسام کی بساطتیں اور ان کی حدیں ہی اس عالم کے نظام کی تکوینی بنیادیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتیں۔

قرآن کریم نے اسی سورۃ حم سجدہ میں چھ سماوی ادوار میں ہم آہنگی کے ساتھ ارض و سماوات کے ارتقاء کی تفصیل بھی ارشاد فرمادی ہے۔ اس کے تین بڑے دور ہیں جن میں سے ہر ایک کے دو چھوٹے دور ہیں جن کو ایک ایک دن کا نام دیا گیا ہے۔ پہلے بڑے دور یا دو دنوں میں مادہ کا ارتقاء ہوتا ہے۔ دوسرے بڑے دور کے دو روز میں زمین کی ٹھوس سطح بنتی ہے اور پانی میں حیات نمودار ہوتی ہے۔ اس دور میں عرش پانی کے اوپر ہے۔ آخری بڑے دور کے دو روز میں انسان نمودار ہوتا ہے۔ سات آسمانوں کی تکمیل ہوتی ہے ان کے قانون مقرر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش معلیٰ پر قائم ہوتا ہے۔ آیہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

قل اء نکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون لہ انداداً ذالک رب العلمین۔	کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے بنائی دو دن میں زمین اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو۔ وہ ہے رب عالموں کا۔

موجودہ تکوینیات کے مطابق جرم بنیادی کے کھلنے پر اب سے کوئی دس ارب سال پہلے چند منٹ کے اندر ابتدائی ذرات (elementary particles) سے مادہ بنا۔ وہ برقناطیسی دباؤ اور پھٹنے کے اثر سے پھیلتا چلا گیا۔ شروع میں اس کا درجہ* حرارت کروڑوں درجہ بلند تھا۔ پھیلنے پر وہ ٹھنڈا ہوا۔ جذب کی طاقت برسرکار آنے لگی اور آخر کار اس میں مادی ذرات نے دھوئیں کی سی کیفیت پیدا کردی۔ اس حالت میں قوت جاذبہ نے اس میں گردش پیدا کردی اور وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ یہ وہ ٹکڑے تھے جن کے بعد میں کہکشانی نظام بنے۔ ان میں ایک ہمارا کہکشانی نظام بھی تھا جس میں زمین کو تعمیر کرنے والا مادہ موجود تھا۔ یہ پہلے دن کی کہانی ہوئی۔ جب یہ کہکشانی نظام اور پھیلے اور ٹھنڈے ہوئے تو ہر کہکشانی نظام میں اجرام سماوی یا ستارے وغیرہ بننا شروع ہوئے۔ اس دور میں سورج اور زمین اور دوسرے سیارے اور ستارے بنے۔ یہ دوسرا دن تھا۔ یعنی قرآن کریم کے مطابق جس کی آج تکوینیات (Cosmology) سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ پہلے دو دنوں میں مادہ پیدا ہوا اور کہکشانی نظام بنے اور زمین بنی۔ ابھی تک اس نظام میں بروئے کار بساطتیں صرف وہ تھیں جو مادہ، وقت اور ان کی جائے وقوع کی فضا کی تھیں۔ مادہ سے نور اس وقت بھی خارج ہو رہا تھا اور یقیناً اس کے پھیلاؤ کی ایک بڑھتی ہوئی حد بھی تھی۔ بہ الفاظ دیگر پانچویں برقناطیسی جہت بساطت بھی برسرکار تھی اور اس کی حد پر پہلا آسمان روشنیوں

یعنی ستاروں سے مزین کیا گیا ۔

اس عالم کون و مکان کی تکوین میں دوسرا بڑا دور بھی دو روز کا تھا ۔ یعنی پیدائش سے لے کر اس دور کے خاتمہ تک چار روز ہوئے ۔ ان کی تفصیل قران کریم نے یہ بتائی ہے ۔

حم سجدہ ۔ و جعل فیھا روسی من فوقھا و برك فیھا وقد رفیھا اقواتھا فی اربعة ایام سوآء للسائلین	اور اس نے زمین پر پہاڑ بنائے اس میں برکت رکھی اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا چار دن میں تمام طلبگاروں کے لئے برابر۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب زمین ٹھنڈی ہوئی تو اس پر کھنکھناتی ہوئی مٹی کی چٹانیں بننا شروع ہوئیں اور پہاڑ بنے ۔ اور ٹھنڈا ہونے پر بارشیں شروع ہوئیں جن کا پانی کھنکھناتی ہوئی مٹی کو بہاکر گڑھوں میں لے گیا ۔ شروع آفرینش سے اگر گنا جائے تو یہ تیسرا دن تھا ۔ چوتھے دن میں پہلے گڑھوں میں جمع کالی کیچڑ اور پھر پانی میں ذی حیات خلیے پیدا ہونا اور ارتقاء پانا شروع ہوئے اور زمین پر سب سائلوں کے لئے نامیاتی اور غیر نامیاتی غذائیں پیدا ہوئیں اور سامان معیشت بھی ، یہ چوتھے دن کی وارداتیں ہیں ۔ حیات کا ظہور مادہ میں ایک نئی بساطت کا اضافہ تھا لیکن ابھی تک اسی عالم میں سب سے زیادہ بساطتیں رکھنے والی مخلوقات پانی میں پرورش پارہی تھیں ۔ شاید اسی دور کے متلق سورۃ ھود (۱۱) کی ساتویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے ۔

وکان عرشه علی الماء لنبلوکم ایکم احسن عملا ۔	اور تھا عرش پانی پر تاکہ آزمائے کہ تم میں کون اچھا کام کرتا ہے

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ عرش کوئی تخت جیسی چیز نہیں جس پر ہیبت و جلال والی کوئی ہستی جلوہ افروز ہو ۔ بلکہ عرش مادی عالم کی بساطتوں کی وہ انتہاء ہے جہاں سے ہر قابل فہم اور ناقابل فہم بلکہ بے انتہا بساطتوں کی مالک ہستی کے ارادے اور احکام عالم کون و مکان میں عادت جاریہ کی بساطت کے ہر درجہ کی ممکنات کے مطابق سلسلہ اسباب و عمل میں مقدر ہو کر مجبور طبعی میں تبدیل ہوئے ہیں ۔

اس مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد کہ پہلے چار روز میں جب تک سب جاندار پانی میں تھے اور عرش معلیٰ پانی پر تھا شاید ابھی تک حکم ربانی کے مطابق پہلا آسمان اور زمین ہم آہنگی کے ساتھ ارتقا کر رہے تھے ۔ اور قدرت حسن عمل کی جانچ میں لگی ہوئی تھی ۔ اب آخری دو روز کے تیسرے بڑے دور کی کہانی بھی اس ہی حم سجدہ کی بارھویں آیت میں ارشاد ہوتی ہے ۔

فقضٰھن سبع سمٰوٰت فی یومین و اوحیٰ فی کل سماء امرھا وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً ذالک تقدیر العزیز العلیم ۔

پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور اتارے ہرآسمان پر اس کے احکام اور دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا اور ان کو محفوظ کیا ۔ یہی زبردست جاننے والے کی تقدیر ہے ۔

اس آیۂ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب زیادہ سمجھ اور زیادہ ذہانت والے جانور پانی سے نکل کر خشکی اور ہوا میں پھیلنے لگے یعنی جیسے جیسے زیادہ بساطتیں رکھنے والے ذی حیات وجود میں آئے پہلے آسمان سے اعلیٰ درجہ کے آسمان بننا شروع ہوگئے ۔ یہ پانچویں دن کی کہانی ہوئی ۔ چھٹے سماوی دن میں زمین پر آدم پیدا ہوتے ہیں ۔ اس میں خدا خود اپنی روح پھونکتا ہے ۔ ان کو ارادہ بخشا جاتا ہے اور تمام مخلوقات سے زیادہ علم عطا فرما کر خلیفہ فی الارض کا درجہ بخشا جاتا ہے ۔ سات آسمان مکمل ہوتے ہیں ۔ فرشتے حضرت آدم کو علم کی فضیلت کی بنا پر سجدہ کرتے ہیں اور خدا عرش پر قیام فرماتا ہے ۔ یہ چھٹے روز کا احوال ہے ۔

ہم نے جہتوں اور ابعاد کو سمجھنے کی کوشش میں دیکھا تھا کہ ابعاد یا بساطت کی حدود کے بڑھنے سے علم کی وسعت زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ فرشتوں سے انسان کی علم کی فضیلت کے معنی ہیں اس کی ابعاد یا بساطت کی حدود کی فضیلت۔ سب سے بڑے فرشتہ کی آزادی کی حد سدرۃ المنتہا پر ہے ۔ لیکن اس سے آگے صرف عرش ہے اور اس سے نیچے جنت الماویٰ ہے ۔ انسان کامل کی جبرئیل پر علم کی فضیلت کے معنی یہ ہوئے کہ انسان کامل کی آزادی کی حد سدرۃ المنتہا سے پرے عرش تک پہنچتی ہے ۔ اور یہ عالم کون و مکان کی آخری حد ہے جہاں سے پروردگار کے ارادے تقدیر عالم میں تبدیل ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ ریاضیاتی آزادی کی بھی آخری حد ہے جو اس عالم کون و مکاں کی انتہا ہے ۔ سات آسمان آخری دور میں بنائے گئے۔ یہ بغیر کسی سہارے کے ایک پر ایک واقع ہیں۔ ہرآسمان کے قانون اور قاعدے الگ ہیں ۔ عرش سب پر حاوی ہے ۔ اس کو شکل سے یوں سمجھئے ۔

اس شکل میں پہلے ، دوسرے ، تیسرے وغیرہ آسمانوں ، سدرۃ المنتہا یا عرش کے لئے جو دائرے دکھائے گئے ہیں ان کی کوئی اہمیت یا اصلیت نہیں۔ صرف ہر دور میں قابل استعمال آزادیوں کی حدیں متعین کرنے کے لئے خیالی خطوط کھینچدیے گئے ہیں ۔ جیسے ساتویں آسمان سے پرے سدرۃ المنتہا جہاں تک پہنچنے کی آزادی بزرگ ترین فرشتہ حضرت جبرئیل کو حاصل ہے ۔ یہاں وہ اپنی اصل صورت میں نظر آئے لیکن وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے ۔ ان کے علم

کی بھی حد ہے ۔ وہ زمین پر بھی تشریف لاتے تھے ۔ رسول اللہ صلعم سے بات چیت بھی کرتے تھے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ نیچے درجہ کی تمام آزادیاں استعمال کرسکتے تھے لیکن آگے قدم نہیں بڑھا سکتے تھے ۔ انسان کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے اس لئے حضور سرور کائنات جو انسان کامل تھے سدرۃ المنتہا سے آگے تک کی آزادی رکھتے تھے اور شب معراج میں خدا کی عنایت اور مہربانی سے آپ نے وہ آزادی استعمال کی اور اس جگہ پہنچے جہاں عالم کون و مکاں کی تقدیر کے لکھے جانے کی آواز سنائی دیتی تھی اور پھر قاب قوسین او ادنیٰ کا درجہ حاصل کرنے کی فضیلت پائی ۔ صل اللہ علی محمد وسلم ۔

اس کونیاتی نقطہ' نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان باتوں کے معنی واضح ہوجاتے ہیں کہ پہلے آسمان پر آپ نے ایک طرف جنتی روحیں دیکھیں اور دوسری طرف دوزخی روحیں ۔ با عرش ، زمین اور آسمانوں سب پر حاوی ہے با خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کی رگ جاں سے بھی قریب تر ہے ۔

ان آزادیوں کا استعمال اس وقت ھی کوئی معنی اور اھمیت رکھتا ھے جب جسم کے ساتھ ھو کیونکہ یہ آزادیاں تو توانائی کے ان ذرات ھی کی ھیں جن کو ھم مادہ کہتے ھیں اور یہ آزادیاں مادہ کے اس ٹکڑے جسم کو اس وقت ھی حاصل ھوتی ھیں جب اس کو روح سے سرفراز کردیا جاتا ھے ۔ حساب کے روز جنت یا دوزخ میں جانے سے پہلے روح کو جسم میں پھر واپس آنا پڑے گا ۔ اس کے بعد ھی دیدار خداوندی اور عیش جنت کا لطف کوئی معنی رکھےگا ۔ وہ محض روح کا تماشہ نہیں ھوگا ۔ یہ ھمارے ایمان کا جزو ھے ۔ موت کے بعد پھر زندہ کئے جانے کو مانے بغیر ھم مسلمان نہیں ھوسکتے ۔ حیات بعد موت کے متعلق پرانی سائنس کی روشنی میں یقیناً کچھ دقتیں محسوس ھوتی تھیں ۔ اس وقت مادہ کو نہ مٹ سکنے اور نہ پیدا ھوسکنے والی حقیقت سمجھا جاتا تھا ۔ اب تو وہ بھی کسی کی توانائی کے ابتدائی ذرات کا ایک تماشہ اور اشارہ' کن کی صورت ھے ۔ سائنس کی بیسویں صدی کی ترقیوں کی روشنی میں اس کو سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ۔ تاھم اس موضوع پر بحث کرنے کی اس وقت مہلت ھے اور نہ موقع ۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاھئے کہ جس طرح ھم میں سے خوش قسمت لوگ روز حساب کے بعد اپنے جسم اور روح کے ساتھ جنت المنویٰ میں پہنچ کر خداوند عالم کے دیدار سے سرفراز ھوسکیں گے بالکل اسی طرح معراج کی شب میں حضور سرور کائنات جسم اور روح کے ساتھ خداوند عالم کے دیدار اور اس کے ساتھ تماس سے سرفراز ھوئے ۔

جس وقت حضور سرور کائنات پہلے آسمان کی سیر کر رہے تھے اس وقت آپ نے دیکھا کہ اس کے ایک طرف دوزخ ھے اور دوسری طرف جنت ۔ یہ بات موجودہ تکوینیات یعنی (Cosmology) کے نقطہ' نظر سے بہت دلچسپ ھے ۔ ھمیں معلوم

ہے کہ پہلے آسمان سے کم جہات کی طرف جو عالم ہے وہ اس وقت پھیل رہا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی کتنے ہی ہزار ملین سال جاری رہے گا یعنی یہ عالم ابھی کئی ارب سال تک پھیلتا رہے گا ۔ اس پھیلاؤ کی وجہ سے ہمارے عالم کی کثافت برابر گھٹ رہی ہے ۔ جب یہ کثافت گھٹ کر ایک خاص حد پر پہنچ جائے گی تو پھیلاؤ رک کر سکڑاؤ سے بدل جائے گا اور پھر سکڑاؤ کتنے ہی ارب سال برابر جاری رہے گا یہاں تک کہ اس عالم کا درجہٗ حرارت کڑوڑوں اربوں درجہ تک بلند ہوجائے گا اور وہ ویسے ہی جرم ابتدائی کی سی حالت میں پہنچ جائے گا جس کے پھٹنے سے ہمارا مادی عالم اب سے کوئی دس ارب سال پہلے عالم وجود میں آیا تھا ۔ شاید آئندہ حالت اس سے مختلف ہو ۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔

بہرحال وہ دلچسپ بات جس کی طرف میں اس وقت توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ پہلے آسمان کے اندر کی فضا جس کو ستاروں کے چراغوں سے سجایا گیا ہے وہ پھیلاؤ اور سکڑاؤ کے قانون کے تابع ہے ۔ اس کو قیام نہیں ۔ فلسفہ کی زبان میں اس کو فانی کہیں گے لیکن وہ بساطت کبریٰ جس میں یہ سارا تماشہ ہو رہا ہے وہ اس جرم بنیادی کے پھٹنے سے پہلے بھی موجود تھی۔ اس کی آزادی کی حدیں اس جرم کی آزادی کی حدوں سے بالا تر ہیں۔ وہ اس کے سکڑاؤ کے بعد بھی باقی رہیں گی۔ یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ پہلے اور ساتویں آسمان کی درمیانی حدیں اپنی بساطتوں کے لحاظ سے جنت کے مختلف مدارج میں بٹی ہوئی ہیں ۔

رسول مقبول کی معراج مبارک سے جو بات واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کامل کی بساطتوں کی حدیں عرش اعلیٰ پر منتہی ہوئی ہیں ۔ مذہب کا بس یہی اصل مقصد ہے کہ وہ ذی روح انسان کے مادی جسم کی ایسی تربیت کرے کہ اس کی روح اپنی ممکنہ بساطت کے انتہائی عروج تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا کرے ۔ یہ بات ضبط نفس کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے ۔ ایک بچے کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنا وقت لہوو لعب میں گذارے ۔ پڑھنے لکھنے اور نظم و ضبط کی ریاضت اس کو بہت گراں ہوتی ہے ۔ لیکن بڑے ہو کر مادی دنیا میں ترقی کے لئے اسے نظم و ضبط کا خوگر بننا ہی پڑتا ہے ۔ یہ مذہبی نظم و ضبط کا حال ہے ۔ مادی عالم کی زندگی میں اگر اس نظم و ضبط کو اپنالیا جائے تو روح میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ترقی کرتی ہوئی اعلیٰ ترین مقام تک پہنچ سکتی ہے ۔ اس کے معنی یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے ہم ایک برقی دوران میں گنجائش (Capacitance) ، امالیت (Inductance) ، مزاحمت (Resistance) وغیرہ میں مختلف قسم کے امتزاجوں سے مختلف قسم کی برقناطیسی اشعاع پیدا کرتے ہیں ۔ ان میں کوئی اشعاع ایسا ہوتا ہے کہ وہ مادہ کی سوئی سی موٹی تہوں میں سرایت کر کے پار ہو جاتا ہے جیسے کائناتی شعاعیں ۔ بعض اشعاع ہوتے تو کافی زور دار ہیں جیسے بالائے بنفشی شعاعیں لیکن اوزون کی چند ملی میٹر موٹی تہہ

ان کو جذب کرلینے کے لئے کافی ہوتی ہے ۔ بعض ریڈیو شعاعیں کرہ ہوائی میں چند ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر جذب ہو جاتی ہیں لیکن دوسری لہریں عالم کون و مکاں میں برابر پھیلتی اور بڑھتی رہتی ہیں ۔ یہی حال روح کا سمجھ لیجئے۔ برقناطیسی شعاعیں پانچویں بعد بساطت کی مرہون منت اور اس کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں ۔ روح مادہ میں اس سے اعلیٰ ابعادی آزادی کا مظہر ہے ۔ جب تک کوئی فرد زندہ رہتا ہے ان آزادیوں کی کارفرمائی مادہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے ۔ موت واقع ہونے پر وہ ایسی ہی فضائے بسیط میں رواں دواں مصروف کار رہتی ہیں جیسے برقناطیسی لہریں ۔ جس طرح برقناطیسی لہروں کو منبع سے خارج ہونے کے بعد بعید ترین فاصلے طے کرنے کے بعد بھی ایک بالکل نئے ایریل اور ریڈیوسیٹ میں جمع کر کے اس آواز کو جو مدتوں پہلے کسی اور فضا اور کسی اور حالات میں پیدا ہوتی تھی از سر نو زندہ کیا جاسکتا ہے ، بالکل یہی حال حساب کے روز روحوں کا ہوگا ۔ وہ توانائی کے ان ذرات کے مجموعوں پر جن کو ہم مادہ یا جسم کا نام دیتے ہیں پھر جمع کردی جائیں گی ۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جسم کے بنانے والے ذرات بھی وہی ہوں گے جو پہلے تھے ۔ جسم کے مادی ذرات تو زندگی میں ہی لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہتے ہیں ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پھر اس زمین پر ہی جسموں کو روحوں کے ساتھ بار دگر پھر جمع کیا جائے ۔ جس طرح موجودہ سائنس کی تکوینیات نے اب سے چودہ سو برس بعد قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ مادی عالم کو ایک بند جرم کے کھولنے پر پیدا کیا گیا اور اس کی انتہا ایک منشی کی پوتھی کے لپیٹ لئے جانے کی طرح ہوگی اسی طرح تجربہ یہ بھی ثابت کردے گا کہ روحوں کو پھر جسموں کے ساتھ وابستہ کردیا جائے گا ۔ صرف وہ جسم اور روحیں آزادی کی اس حد کو جس کو پہلے آسمان کا لقب دیا گیا ہے پار کرسکیں گی جنہوں نے اپنی پہلی مادی زندگی میں ان کو مذہبی نظم و ضبط کے ذریعہ ترقی کے قابل بنالیا ہوگا ۔ شیطان ، اس کی ذریات اور وہ انسان جنہوں نے نفسانی خواہشوں کی لذت گیری کے لیے شیطان کی پیروی کی ہوگی اس حد کو پار نہیں کرسکیں گی اور اس کا مقدر دوزخ کی آگ میں جلتے رہنا ہوگا ۔

اس بحث سے برزخ کے معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ جب تک یہ پہلے آسمان کے اندر کا عالم پھیل رہا ہے ابھی اس میں دوزخ یا جنت کی کیفیت نہیں ۔ وہ روحیں جنہوں نے اعمال صالح سے اپنے آپ کو ترقی کے قابل بنالیا ہے یقیناً اپنے حسب مقدور پہلے ، دوسرے ، تیسرے ، چوتھے ، پانچویں اور چھٹے آسمان کے پرے پہنچ سکتی ہیں ۔ رسول مقبول کی مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء کرام سے ملاقات کے یہی معنی ہیں ۔ لیکن دوزخ اور جنت کی زندگی کی کیفیات حشر کے روز روحوں کو جسموں کے ساتھ دوبارہ وابستہ کئے جانے کے بعد ہی شروع ہوں گی اور یہ موقع اس وقت آئے گا جب اس عالم کو ایک لکھی ہوئی پوتھی کی طرح پھر لپیٹنا شروع کردیا جائے گا ۔

دوسری بات جو اور سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اللہ کا تصور بہت نازک اور عجیب و غریب پیش کیا ہے ۔ وہ یہ کہ وہ آپ کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ عرش کا تصور یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے اور یہ سب اس میں سمائے ہوئے ہیں ۔ یہ صرف اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ خداوند عالم کو ایسی ہستی مانیں جس کی بساطتیں ایک سے لے کر لامتناہی ہیں ۔ ہر آسمان بساطتوں کی حد کا نام ہے اور عرش بساطتوں کی وہ انتہا ہے جہاں ارادۂ رب العالمین ، عالموں کی تقدیر میں تبدیل ہوتا ہے ۔ اس صورت میں یہ تمام تصورات واضح ہو جاتے ہیں ۔ پھر فاصلہ ، وقت یا جہت اس میں کسی قسم کا خلل نہیں ڈال سکتے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس عالم کی فضا کے ہر ہر نقطہ میں وہ بساطتیں پنہاں ہیں جن کی انتہا عرش پر ہوتی ہے ۔ یہ بساطتیں بہرحال اظہار ہیں وحدہ لاشریک لہ رب العالمین کی لامحدود بساطتوں میں سے چند کا ۔ کہیں پر صرف تین بساطتیں بر سرکار ہوتی ہیں ۔ ہم اسے مادہ کہتے ہیں ۔ کہیں پر چار ۔ کہیں پر پانچ ۔ رسول مقبول نے شب معراج ہوش و حواس کے ساتھ جسم و روح کی وہ سب بساطتیں برتیں جو اس میں پنہاں ہیں اور جن کی انتہا عرش پر ختم ہوتی ہے اور یہی رتبہ تمام انبیاء کے سردار کو زیب بھی دیتا تھا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔